پاکستان کے معروف محقق اور عالم دین

محترم مولانا سید شاہ حسین گردیزی سے ملاقات

مولانا سید شاہ حسین گردیزی برصغیر کی ایک معروف دینی و علمی شخصیت ہیں۔ آپ کی ولادت پاکستان میں ضلع راولپنڈی کی تحصیل ٹیکسلا کے ایک گاؤں ''بدو'' میں ہوئی۔ آپ نجیب الطرفین سید ہیں اور سادات گردیز سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد حضرت سید مقبول شاہ گردیزی سے حاصل کی۔ پھر جامعہ غوثیہ گولڑا شریف میں حضرت سید عبدالقادر شاہ بغدادی سے قرآن حکیم حفظ کیا۔ اسی وقت حضرت شاہ غلام محی الدین گولڑوی کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ چشتیہ میں شرف بیعت حاصل کیا۔ درس نظامی کی تعلیم مولانا سکندر شاہ، مولانا عبدالرزاق، مفتی فیض احمد، مولانا سید محمد زبیر شاہ اور مولانا عبدالحکیم شرف قادری سے حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عطا محمد بندیالوی، مفتی وقار الدین اور سید شجاعت علی قادری بھی شامل ہیں۔ آپ نے شروع میں دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں تدریس اور جامع مسجد گل زار کراچی میں خطابت کے فرائض انجام دیے۔ مولانا کو اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے خصوصی نسبت ہے۔ اسی نسبت سے انہوں نے دارالعلوم مہریہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ آپ کئی علمی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں مہر جہاں تاب، فروغ صحافت میں اہل سنت کا کردار، تجلیات مہر انور وغیرہ خاصی اہم ہیں۔ آپ کو سب سے زیادہ شہرت آپ کی دو معرکہ آرا کتابوں ''حقائق تحریک بالاکوٹ'' اور ''لفظ ذنب کی تحقیق'' سے ملی۔ اول الذکر کا ترجمہ بنگالی اور ہندی زبانوں میں بھی آ گیا ہے۔ یہ سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے فسانۂ جہاد سے متعلق ہے جب کہ ثانی الذکر مولانا غلام رسول سعیدی کی لفظ ذنب سے متعلق تحقیق کے جواب میں ہے۔ یہ وقیع کتاب آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ دینی، علمی، دعوتی و تبلیغی اور جماعتی مسائل سے متعلق مولانا سے لیے گئے انٹرویو کے اہم اقتباسات حاضر ہیں۔

خوشتر نورانی

جام نور: آپ کی تعلیم و تربیت کہاں ہوئی، آپ کے اساتذہ کون تھے اور اس وقت کا نظام تعلیم کیسا تھا؟

مولانا شاہ حسین گردیزی: میری ابتدائی تعلیم گولڑہ شریف میں ہوئی۔ سید عبدالقادر شاہ بغدادی صاحب جو میسور کے رہنے والے تھے، لیکن اس وقت گولڑہ شریف میں رہ رہے تھے، وہ کچھ عرصہ بغداد شریف بھی رہ کر آئے تھے، ان سے میں نے قرآن پاک حفظ کیا۔ آج جو کچھ خصوصیات میرے اندر ہیں وہ سب انہی کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

سید سکندر شاہ صاحب سے میں نے فارسی کی متعدد کتب، فصول اکبری اور کافیہ تک انہی سے پڑھی۔ ایک بار انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ ایک طالب علم کہہ رہا تھا کہ تمہیں کافیہ زبانی یاد ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! تو انہوں نے کہا سناؤ! جب میں کافیہ کی بحث مجرورات تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا اب بس کرو۔ انہیں علم نحو سے بہت شغف تھا۔ انہوں نے مجھے سولہ پارے تک صرفی و نحوی قواعد کی مشق کے ساتھ قرآن پاک پڑھایا تھا۔ ایک دن نحوی تراکیب اور دوسرے دن صرفی قواعد کی مشق ہوا کرتی تھی۔ وہ مجھے جلالین بھی پڑھاتے تھے اور اپنی خصوصی دلچسپی کی وجہ سے نحوی و صرفی بحث کا اجرا بھی کراتے تھے۔ اس کے بعد زبیر شاہ صاحب، مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب اور آخر میں مولانا عطا محمد بندیالوی صاحب سے تعلیم حاصل کی۔ زبیر شاہ صاحب ان لوگوں میں سے تھے جنہیں درس نظامیہ ازبر یاد رہتا تھا۔ میرے اصل استاد مولانا عطا محمد بندیالوی تھے، ان سے رابطہ تو گولڑہ شریف سے ہی تھا، البتہ ان سے پڑھنا تاخیر سے شروع کیا۔ مولانا وقار الدین اور مفتی شجاعت علی صاحب سے پڑھا۔ ہر استاد کا اپنا طریق کار تھا۔ پہلے عبارت خوانی ہوتی تھی پھر ایک عمومی تقریر استاد کرتے تھے اور پھر ترجمہ کرتے تھے، اس پر اچھی خاصی مشق ہوتی تھی، لیکن مولانا عطا محمد صاحب کا طریقہ بڑا عجیب و غریب تھا وہ ہر ہر جملہ کی تفصیلی تشریح فرماتے تھے، ہر ہر لفظ کی تشریح کرتے تھے، ان کے نزدیک ایک جملہ کے جتنے مطالب ہو سکتے تھے سب بیان فرماتے تھے۔ جب ہم نے ان سے مختصر المعانی شروع کی تو صرف نحمدک کی تشریح میں چار دن لگ گئے اور سبق بھی اس وقت چلتا تھا جب تک استاد چاہیں۔

جام نور: -تصنیف وتالیف کا شوق کب سے ہوا؟

مولانا شاہ حسین گردیزی: -لکھنے کا شوق تو شروع سے ہی تھا- ابتدا میں میری کوئی تحریر شائع نہیں کی جاتی تھی، اس لیے اخبارات میں مراسلات ہی لکھتا تھا، پھر اہل سنت کے رسائل میں چھپنا شروع ہوا، اس طرح یہ سلسلہ چل نکلا، اس دور میں کافی عرصے تک ایک رسالہ ''ترجمان اہل سنت'' کی ادارت بھی کی-

جام نور: -تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی صاحب کی تصنیف ''تصحیح العقیدہ'' کی طرف آپ کی توجہ کیسے ہوئی؟ اور وہ آپ کو کہاں سے ملی؟

مولانا شاہ حسین گردیزی: -یہ کتاب اتفاقاً مجھے نہایت بوسیدہ حالت میں مجتبائی پریس سے ملی، اس کی میں نے جلد بندی کروائی اور مطالعہ کرنا شروع کیا، حالانکہ میں کبھی بدایوں نہیں گیا، لیکن بعض نام ایسے ہوتے ہیں جنھیں سن کر ہی کشش کا احساس ہوتا ہے- حضرت مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا فیض احمد بدایونی اور مولانا عبد القادر بدایونی انہی شخصیتوں میں شامل ہیں- مطالعے کے دوران مجھے احساس ہوا کہ یہ کتاب بہت مفید ہے، اس لیے میں نے اس کتاب کا ترجمہ کر دیا اور پھر اسے شائع بھی کر دیا- کتاب کی اشاعت کے بعد میرے پاس ڈاکٹر ایوب قادری آئے اور کہنے لگے کہ یہ رسالہ حیدر حسین حیدری کا ہے، آپ نے اسے مولانا عبد القادر بدایونی صاحب کے نام سے کیسے چھاپ دیا؟ جب میں نے انھیں اصل کتاب دکھائی تو وہ مطمئن ہو گئے- پھر مجھے یاد آیا کہ اہل سنت کی تصانیف کا جو مجموعہ آیا تھا اس میں بعض کتابوں کے نام موصوف نے بھی دیے ہیں، جس میں ''تصحیح العقیدہ'' کو انہوں نے حیدر حسین کے نام منسوب کر دیا ہے- بہر حال ان سے یہ غلطی ہوئی تھی، کتاب کی اشاعت کے بعد اس غلطی کا ازالہ ہو گیا- اسی طرح مفتی صدر الدین آزردہ صاحب کا رسالہ منتہی المقال مجھے حکیم محمود احمد برکاتی صاحب سے ملا، اس کا ترجمہ بھی میں نے بڑی محنت اور لگن سے کیا- اس کے بعد میں نے حضرت خواجہ فخر الحسن دہلوی چراغ چشتی کا رسالہ تلاش کیا- جب میں نے اس کا مطالعہ کیا تو مجھے بڑا ملال ہوا کہ ہندوستانی علما نے اس علمی رسالہ پر کوئی توجہ کیوں نہیں دی، جب کہ یہ رسالہ بڑا علمی ہے- مسئلہ تو شاہ ولی اللہ دہلوی کا تھا اور محدث کے طور پر وہی مشہور بھی تھے، خواجہ فخر الحسن صاحب تو محدث مشہور نہیں تھے، لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ کے پاس کتنا علم ہوتا ہے، یہ رسالہ عرب جاتا تو عرب والے بھی محسوس کرتے کہ ہندوستانی صوفیہ کتنے راسخ فی العلم ہوتے ہیں- پھر خواجہ رضی حیدر صاحب سے میری ملاقات ہوئی- وہ اخبار میں کام کرتے تھے، لیکن نماز کے لیے مسجد میں آجایا کرتے تھے- وہ کتابی انسان ہیں، ان کی دوستی سے علم میں اضافہ ہوا-

جام نور: -علمی حلقوں میں آپ کی شناخت ''حقائق تحریک بالاکوٹ'' کے حوالے سے ہے- اس کے اسباب کیا ہیں؟

مولانا شاہ حسین گردیزی: -میری مسجد جہاں میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتا ہوں، وہ ایک کالج سے متصل ہے، وہاں دو تین کالجز اور بھی ہیں جہاں سے نوجوان طلبہ نماز کے لیے آتے تھے، وہ برابر مجھ سے اس حوالے سے سوالات کیا کرتے تھے تو بالآخر میں نے اس حوالے سے دستیاب کتابوں کو اکٹھا کروایا اور مطالعہ شروع کیا- مطالعے کے بعد جو میں نے اپنے طور پر نتیجہ اخذ کیا، اسے کتابی شکل میں تحریر کر دیا- اس کتاب کو پڑھ کر کافی بحثیں شروع ہو گئیں، بعض لوگوں نے اسے پڑھ کر اعتراض بھی کیا، لیکن میں نے کہا کہ جن کتابوں کا میں نے حوالہ دیا ہے یا جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے، اگر وہ غلط ہے تو کوئی مجھ سے رابطہ کر سکتا ہے- پھر میں نے اسے خواجہ رضی حیدر صاحب کو دکھایا، انہوں نے میری محنت کی ستائش کی، میں نے اس وقت حکیم نصیر الدین ندوی کو بھی ''حقائق تحریک بالاکوٹ'' کا مسودہ دکھایا انہوں نے بھی اسے پسند کیا، اس پر کچھ لکھا بھی اور اس وقت مجھے سو روپے بطور انعام بھی دیے-

جام نور: -وہ نتیجہ کیا تھا، اس کی تلخیص بیان فرمائیں گے؟

مولانا شاہ حسین گردیزی: -میرے الفاظ وہاں کچھ سخت ہو سکتے ہیں، لیکن میں اس مسئلے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ سید احمد رائے بریلوی جان بوجھ کر انگریزوں کے ایجنٹ نہیں بنے تھے، بلکہ انگریزوں نے ان سے کہا تھا کہ سکھ فساد پھیلا رہے ہیں وغیرہ اور چونکہ سکھ قوم اس خطے میں مضبوط قوت ہونے کی وجہ سے حاکم تھی اور انگریزوں کو ان کی حکومت کمزور کرنی تھی، اس لیے انہیں اکسا کر وہاں بھیجا اور چند ایک سکھوں کے ساتھ جنگیں بھی ہوئیں جس سے سکھ حکومت کمزور ہو گئی، پھر سید احمد رائے بریلوی نے وہ مسائل اٹھائے جنہیں ان کو نہیں اٹھانا چاہیے تھے- وہ مسائل احناف کے خلاف تھے،

جب کہ اس خطے میں غالی قسم کے حنفی موجود تھے، جب دوبارہ بالاکوٹ میں معرکہ ہوا تو سکھوں کے ساتھ بھاری تعداد میں مسلمان بھی شریک ہو گئے اور انہی مسلمانوں نے سید احمد رائے بریلوی کو مار ڈالا- معرکہ بالاکوٹ کے بعد انگریزوں نے کہا کہ اب جہاد کی ضرورت ختم ہو گئی ہے، کیوں کہ اب ہم وہاں قابض ہو چکے ہیں، لیکن بعض سر پھروں نے کہا کہ نہیں یہ تو قیامت تک جاری رہے گا، اس لیے انگریزوں نے انہیں کچل ڈالا- اس کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اسے آزادی کی تحریک وغیرہ سمجھنا اور لکھنا خلاف واقعہ ہے-

جام نور:- آپ کا دوسرا علمی حوالہ "لفظ ذنب کی تحقیق" ہے، اس کے بارے میں کچھ بتائیں؟

مولانا شاہ حسین گردیزی:- ایک عرصے سے میرا تعلق درس و تدریس سے رہا ہے، اس لیے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت عربی سے زیادہ تعلق ہے- جب "ذنب" کا مسئلہ پاکستان میں اٹھا تو میں نے سوچا کہ لفظ "ذنب" کی تحقیق ہو جائے گی تو مسئلہ حل ہو جائے گا، اس لیے میں نے یہ کام شروع کیا اور کرتے کرتے یہ کام کافی طویل ہو گیا- جب یہ طویل ہو گیا تو میں نے سوچا کہ اس حوالے سے مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کے جو معرکۃ آلارا اعتراضات ہیں ان کا بھی جواب دے دیا جائے- میں نے ان اعتراضات کو منتخب کیا اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ ان کا جواب دے دیا، اسی دوران صاحبزادہ ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر صاحب کا بھی اس حوالے سے ایک رسالہ آیا، اسے بھی میں نے پڑھا، مطالعے کے دوران مجھے لگا کہ اس رسالے میں ان کی ذاتی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ انہوں نے سعیدی صاحب کی ہی چیزوں کو کھول کر بیان کیا ہے، پھر میں نے سعیدی صاحب کو چھوڑ کر صاحبزادہ زبیر صاحب کے اعتراضات کے جوابات دیے، اس کے بعد یہ کتاب چھپ گئی- اس میں میں نے شرح صدر کے ساتھ لکھا کہ حضرت عطا خراسانی کا موقف غلط نہیں ہے- اگر کوئی شخص اسے اختیار کرتا ہے تو وہ اس کا حق ہے- حضرت عطا خراسانی کا موقف حدیث و قرآن سے ثابت ہے، اس سلسلے میں اکابر علما کا موقف بھی یہی رہا ہے اور ادب و احترام کے لحاظ سے بھی یہ موقف زیادہ درست ہے، اگر کوئی اسے اختیار کرے تو آپ اسے غلط نہیں کہہ سکتے- ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں آپ کا ذوق الگ ہو، آپ جو چاہیں اختیار کریں، مگر آپ دوسروں کو اپنے موقف پر عمل پیرائی کے لیے اصرار نہیں کر سکتے- حضرت عطا خراسانی تابعین میں سے ہیں، مفسرین میں شامل ہیں، آج تک ان کے اس موقف کی کسی نے رد و قدح نہیں کی- اس کے علاوہ بھی انھوں نے اعتراضات کیے، جن کا میں نے جواب دیا- اس زمانے میں مجھے دھمکیاں بھی دی جاتی تھیں کہ تمہارا اس شہر میں جینا دشوار ہو جائے گا وغیرہ، مگر میں ثابت قدم رہا-

جام نور:- "دعوت اسلامی" کی جب بنیاد رکھی گئی تو اس کی پہلی میٹنگ میں آپ بھی شریک تھے، اس سلسلے میں کچھ بتائیں؟

مولانا شاہ حسین گردیزی:- یہ ۱۹۸۱ء کی بات ہے، علامہ شاہ احمد نورانی صاحب نے مجھے اپنے گھر پر یہ کہہ کر مدعو کیا کہ آپ آئیں، دیگر علما بھی ہوں گے، وہاں کچھ باتیں ہوں گی- جب میں ان کے دولت کدے پر پہنچا تو وہاں حضرت شاہ احمد نورانی کے علاوہ علامہ عبد المصطفیٰ ازہری صاحب، علامہ احمد سعید کاظمی صاحب، مولانا شفیع اوکاڑی صاحب، علامہ ارشد القادری صاحب اور دیگر علما موجود تھے- وہاں پہلی مرتبہ میں نے علامہ ارشد القادری صاحب کو دیکھا، اس سے پہلے میں ان کی تصنیف "زلزلہ" پڑھ چکا تھا اور خاصا متاثر تھا- حضرت شاہ احمد نورانی صاحب کے گھر پر میٹنگ کا آغاز ہوا، جس میں سب سے پہلے علامہ ارشد القادری صاحب کھڑے ہوئے اور ایک عالمی تبلیغی تحریک "دعوت اسلامی" کا مکمل منصوبہ پیش کیا، موجودہ تحریک دعوت اسلامی میں آج جو اصطلاحات رائج ہیں انھیں پیش کیا، اس تحریک کا نام "دعوت اسلامی" بھی انہوں نے ہی رکھا اور "اسلامی بھائی" کی اصطلاح بھی انہوں نے ہی پیش کی- علامہ ارشد القادری صاحب کے اس منصوبے سے بھی موجود اکابر علما و مشائخ نے اتفاق کیا اور اسے کافی سراہا- حضرت علامہ کے بعد علامہ احمد سعید کاظمی صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ "یہ فقیر دعوت اسلامی کا تبلیغی نصاب تیار کرے گا" اس کے بعد علامہ عبد المصطفیٰ ازہری صاحب نے اس کی تائید و تحسین کی- مجھے یاد آتا ہے کہ اس وقت علامہ ارشد القادری صاحب نے کھڑے ہو کر ایک بڑی اہم بات کہی تھی کہ "میں نے تبلیغی جماعت کے خلاف ایک کتاب لکھی ہے، لیکن اس کا صحیح جواب وہ نہیں ہے، اس کا صحیح جواب "دعوت اسلامی" نامی تحریک ہوگی-" اس کے علاوہ اور بھی کئی اہم باتیں ہوئیں- اخیر میں علامہ شاہ احمد نورانی صاحب

کھڑے ہوئے اور کہا کہ ”دعوت اسلامی“ کو میری پوری تائید وحمایت حاصل رہے گی، لیکن بظاہر میں اس سے دور رہوں گا، چونکہ میں یہاں حزب اختلاف میں ہوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے دعوت اسلامی کے کاموں میں حکومت رخنہ انداز ہو- اس مجلس میں یہ طے نہیں ہوا تھا کہ اس کا امیر کون ہوگا، بعد میں کیا ہوا اس کا مجھے علم نہیں- ہوسکتا ہے کہ علامہ ارشد القادری صاحب نے بعد میں یہ طے کیا ہو یا یہ کہ خود بڑھ کر مولانا الیاس قادری اس کے امیر بن گئے ہوں-

جام نور :- علمی اختلافات پہلے بھی اکابر کے درمیان ہوا کرتے تھے، اس کے باوجود ان کے روابط اچھے تھے اور ایک دوسرے کے لیے دل میں جگہ بھی ہوتی تھی- اس طرح کا رویہ ہمیں آج کیوں نہیں دکھائی دیتا؟

مولانا شاہ حسین گردیزی :- جب کبار محدثین، مفسرین، فقہا اور علما آپس میں علمی اختلاف کر سکتے ہیں تو پھر اختلاف میں کون سی چیز مانع ہے؟ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے ایک مرید غلام محمد گولڑوی تھے، وہ ترک موالات کے معاملے میں جمعیۃ العلماء کے حامی تھے، جب کہ پیر مہر علی شاہ صاحب ترک موالات کے قائل نہیں تھے- ایک مرتبہ غلام محمد گولڑوی صاحب حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ ”میں ترک موالات کا قائل ہوں اور اسے بہتر سمجھتا ہوں، میں عوام میں انگریزوں کے خلاف تقریریں کرتا ہوں، مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے گرفتار نہ کرلیں-“ تو اختلاف کے باوجود پیر مہر علی شاہ صاحب نے انہیں تعویذ دیا کہ آپ کو کوئی گرفتار نہیں کرے گا- حضرات صوفیہ کے مابین علمی اختلافات میں ہمیشہ توسع پایا جاتا ہے- میرا خیال ہے کہ جب سے علما کے درمیان تصوف ختم ہوا تبھی سے یہ صورت حال پیدا ہوئی- ہمارے بعض علمائے کرام نے صوفیہ کو جاہل قرار دے دیا اور کہا کہ یہ تصوف کیا جانیں اصل تصوف تو ہم جانتے ہیں- اکثر ہوتا یہ تھا کہ ہمارے علما درس نظامی پڑھتے تھے، ان کے اساتذہ کے پاس کوئی خلافت ہوتی تھی، وہ انہیں بھی تھما دیتے تھے- یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ایک شیخ الحدیث صاحب ہیں، انہیں کہیں سے خلافت ہے، انہوں نے پورے سال حدیث شریف کا درس دیا اور اس کی سند دے دی، کیوں کہ انہوں نے حدیث پڑھائی ہے، لیکن انہوں نے تصوف کی خلافت جو دے دی اس کی تربیت طلبہ کو نہیں دی گئی- انہوں نے یہ تصور کیا کہ یہ کتابیں پڑھے ہوئے ہیں، اس لیے یہ کامل ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، تصوف عمل کا نام ہے- تصوف مجاہدہ، ریاضت اور شیخ کی تربیت کا نام ہے اور یہ تربیت ایک دو دن میں نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے برسوں کی صحبت درکار ہوتی ہے تب ایک شیخ اپنے صحبت یافتہ کو خلافت کا مستحق سمجھتا ہے اور اسے خلافت سے نوازتا ہے- عموماً ایسا نہیں ہوسکا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ وہ پورے استاد رہے نہ پورے شیخ- یہ خرابی اس لیے پیدا ہوئی کہ ہم نے صوفیہ کو قابل اعتنا نہیں سمجھا- اتباع سنت اور احسان وسلوک میں کامل صوفیہ کرام اگرچہ معروف معنوں میں عالم نہ ہوتے، ہر دور میں علما کے لیے مرکز توجہ اور فیض بخش رہے- علمائے فرنگی محل جن شیخ سے مرید ہوئے کیا وہ عالم تھے؟ جب کہ فرنگی محل میں نسلاً بعد نسل خداترسی کی دولت سے سرفراز جید عالم پیدا ہوتے رہے- درس نظامیہ کے بانی ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی جیسا عبقری عالم حضرت سید عبدالرزاق بانسوی سے کسب فیض کے لیے ان کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتا تھا جو نہ صرف معروف معنوں میں عالم نہیں تھے بلکہ بظاہر ایک معمولی کسان تھے- تصوف کتابوں سے نہیں شیخ کی خدمت میں بیٹھنے اور ان کی خدمت کرنے سے آتا ہے- علما میں شدت اسی وجہ سے پیدا ہوئی کہ انہوں نے تصوف سے اپنے آپ کو الگ کرلیا اور یہی بڑی کوتاہی ہے- جو صوفیہ کرام پاکستان میں ہیں مثلاً پیر مہر علی شاہ صاحب، قاضی سلطان محمود جن کے مرید علامہ اقبال تھے اور اس طرح کے دوسرے بزرگوں نے کوشش کی کہ دیوبندی علما کے اندر جو زہریلا پن ہے اسے نکال دیا جائے- ان خانقاہوں نے کوشش کا آغاز کیا اور اپنی کوشش میں آگے بڑھتی رہیں- پیر مہر علی صاحب، قاضی سلطان محمود صاحب، شیر محمد صاحب شرق پوری کے ساتھ بھی علمائے دیوبند وابستہ تھے، تونسہ شریف وغیرہ سے بھی وابستگی تھی، وہ چاہتے تھے کہ ہم اپنے نظام میں انہیں لاکر ان کا منفی پہلو ختم کردیں، لیکن ہمارے علمانے اس کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا- نتیجہ یہ ہوا کہ دراڑیں بہت زیادہ بڑھ گئیں اور راستے مختلف ہوگئے-

جام نور :- پاکستان وہندوستان میں علمی وتحقیقی اور دینی حوالوں سے جو کام ہو رہے ہیں وہ کتنے اطمینان بخش ہیں؟

مولانا شاہ حسین گردیزی :- کام تو پاکستان اور ہندوستان دونوں جگہوں پر ہر شعبے میں ہو رہا ہے- یہاں اور غالباً وہاں بھی

حکومتی ادارے تو نہیں غیر حکومتی ادارے اپنے اپنے مطابق کام کر رہے ہیں، لیکن اس میں نسبتاً دوسرے مکاتب فکر کے اہل سنت کا حصہ کچھ کم ہے- پہلے کے کاموں اور اب میں صرف طریق کار کا فرق ہے-

جام نور :-اہل سنت وجماعت کی شناخت کے لیے کیا ہمیں کسی اور نام کی ضرورت ہے؟

مولانا شاہ حسین گردیزی :-ہم تو اپنے دور طالب علمی سے ہی اس کے قائل ہیں کہ اہل سنت کی شناخت کے لیے ''اہل سنت وجماعت'' کے علاوہ کوئی اور نام نہیں ہونا چاہیے- جب ہم اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کہتے ہیں تو اس میں امریکہ کا سنی بھی ہوتا ہے، عرب کا سنی بھی، ہندوستان کا سنی بھی، ایران کا سنی بھی، بلکہ دنیا کے تمام سنی شامل ہوجاتے ہیں- اس کے برخلاف جب آپ اپنی شناخت کے لیے کوئی اور نام دیں گے تو پھر آپ اس کو محدود کر دیں گے، آپ اہل سنت کو کوزے میں بند نہ کریں، اہل سنت تو ایک سمندر ہے، جس میں پوری دنیا کے سنی آتے ہیں-

ایک مرتبہ میرے پاس ایک مولوی صاحب آئے وہ دیوبندی تھے، اصلاً دیوبندی نہیں تھے، لیکن دیوبندیوں کے ساتھ رہ رہ کے اور ان کے مدرسے میں پڑھا پڑھا کے پورے دیوبندی ہوگئے تھے- ان کے ساتھ گفتگو شروع ہوئی، جہاں ان کے کچھ طلبہ بھی موجود تھے- وہ اپنے طالب علموں سے کہنے لگے کہ یہ بریلوی عالم دین ہیں- میں نے فوراً کہا کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ میں اہل سنت وجماعت سے ہوں، بریلوی نہیں ہوں، پھر آپ مجھے کیوں بریلوی کہتے ہیں؟ تو انہوں نے اپنے طالب علموں کی طرف دیکھا اور کہا دیکھو! تم لوگ اپنے آپ کو دیوبندی کہلواتے ہو اور یہ اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کہلوا رہے ہیں، اس نکتے کو سمجھو-

جام نور :-اہل سنت وجماعت کے ارتقا کے لیے کس کام پر توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

مولانا شاہ حسین گردیزی :-اصل بات یہ ہے کہ جن مخالفین کو آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ آگے بڑھ رہے ہیں یہ کل تک بہت تھوڑے تھے- انہوں نے دینی تعلیم کے نظام کو مستحکم کیا- مدارس عالمیت وفضیلت، مدارس قرات اور مدارس حفظ قائم کر کے انہوں نے اپنا نظام آگے بڑھایا اور بڑھتے بڑھتے آج ان کا اتنا بڑا نظام قائم ہوگیا ہے کہ حکومت وقت بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی- انہوں نے اتنی ترقی کر لی اور ہم لوگ صرف تقریریں کرتے رہے- ہم اسی پر گزارہ کرتے ہیں-

آج بھی ہمارے علما اگر اعلی پیمانے پر نہیں تو چھوٹے پیمانے پر ہی دینی مدارس کاروباری جذبے کے ساتھ نہیں دینی جذبے کے ساتھ قائم کریں، طالب علموں کو پڑھائیں، جہاں ہوں وہاں چھوٹا بڑا مدرسہ قائم کر سکتے ہیں تو کریں، صرف مسجد کی خطابت اور امامت پر نہ رہیں تو اس طریقے سے آپ دیکھیں گے کہ کس طرح بنیادی کام آگے بڑھ رہا ہے- دوسری بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت والے اہل سنت وجماعت کی مساجد میں جاتے ہیں اور ان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم نے یہ طے کر رکھا ہے کہ ہمیں ان کی مساجد میں جانا ہی نہیں ہے، لہذا ہم گھوم پھر کر اپنی ہی مسجد میں آجاتے ہیں- جب کہ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے قدم آگے بڑھائیں اور ان کی مساجد میں بھی جائیں اور مثبت انداز میں اپنی بات پیش کریں- ہمیں بھی ان کی طرح اختلاف سے بچنا چاہیے- قرآن پاک میں آتا ہے کہ "وجادلهم بالتي هي احسن" احسن طریقے سے اگر اختلاف ہوتا ہے تو ہو البتہ مقصد پر نگاہ ہونی چاہیے کہ ہم آگے کیسے بڑھ سکتے ہیں؟ ہمیں اپنا احتساب کرنا چاہیے- قرآن سے رہنمائی لینی چاہیے اور اسے مضبوطی سے تھامنا چاہیے- ہم قرآن حکیم کو پکڑیں گے تو وہ آفاقی کتاب ہے، ہم بھی آفاقی ہو جائیں گے اور اگر کسی اور کتاب کو پکڑیں گے تو بات نہیں بنے گی-

جام نور :-جام نور کی مجلس ادارت کے لیے کوئی پیغام؟

مولانا شاہ حسین گردیزی :-جام نور کے چند شمارے میں نے دیکھے اس کے لیے میرے دل سے دعا نکلتی ہے- خدا کرے آپ کی تحریک کامیاب ہو- پاکستان میں بھی اس کا حلقہ بڑھے- آپ کا رسالہ یہاں آتا ہے تو لوگ اسے پڑھتے ہیں، اس کے اثرات نمایاں ہو رہے ہیں اور خدا کرے مزید اس میں ترقی ہو- جام نور کو پہلی دفعہ جب میں نے دیکھا تو مجھے حیرت ہوئی- چوں کہ علامہ ارشد القادری صاحب کا انداز کچھ الگ تھا آپ میں جدت ہے، آپ جدید تقاضوں کے مطابق ان کے مشن پر کام کر رہے ہیں- اس کے علاوہ بھی ہندوستان سے رسالے ہمارے پاس آتے ہیں- وہ معیاری ہوتے ہیں ان میں جام نور ایک ایسا رسالہ ہے جس کا متبادل پاکستان میں نہیں ہے- آپ نے اہل سنت میں بیداری لانے کی کوشش کی ہے- اس پر آپ قابل مبارک باد ہیں- ◻◻◻